© rasailojaraid.com

ہیں ان میں منجملہ اور باتوں کے ایک بات یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ جو شخص خود کسی منصب یا عہدے کا امیدوار ہو یا اس کا دعویدار بنے، اسلام کی رو سے وہ اس کا مستحق نہیں ہے کہ اسے منتخب کیا جائے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ جو خلافت کے امیدوار یا دعویدار رہے تھے اس کے متعلق کیا کہا جائے گا؟

جواب: حضرت علیؓ کی امیدواری و دعویداری کا قصہ دراصل ایک بڑے قصے کا جزو ہے جس کی بنا بعض مخصوص روایات پر قائم ہے۔ اس جزو کو کل سے الگ کر کے اس پر بحث کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اگر آپ اس جزو کو مانتے ہیں تو اس پورے قصے کو ماننا پڑے گا جس کا جزو یہ ہے اور پھر اس پر بحث کرنی ہوگی۔

اس قصے کی روایات بہت مشہور ہیں۔ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں سقیفہ بنی ساعدہ کے بعد کے واقعات کا جو نقشہ پیش کیا ہے، اور ابن قتیبہ اپنی الامامۃ والسیاسۃ میں جو نقشہ کھینچا ہے، اور ایسے ہی دوسرے لوگ جو روایات اس سلسلہ میں بیان کرتے ہیں، وہ سب آپ کے سامنے موجود ہیں۔ اگر آپ اس تاریخ کو باور کرتے ہیں تو پھر آپ کو محمد رسول اللہ مبلغ قرآن، داعی اسلام، مزکی نفوس کی شخصیت پر اور ان کی تعلیم و تربیت کے تمام اثرات پر خط تنسیخ کھینچ دینا پڑے گا اور تسلیم کرنا ہوگا کہ اس پاکیزہ ترین انسان کی ۲۳ سالہ تبلیغ و ہدایت سے جو جماعت تیار ہوئی تھی، اور اس کی بنیاد میں جس جماعت نے بدر و احد اور احزاب و حنین کے معرکے مار کے اسلام کا جھنڈا دنیا میں بلند کیا تھا، اس کے اخلاق، اس کے خیالات، اس کے مقاصد اور اس کے ارادے، اس کی خواہشات، اور اس کے طور طریق عام دنیا پرستوں سے ذرہ برابر بھی مختلف نہ تھے۔

اس تاریخ میں ہمارے سامنے کچھ اس طرح کا نقشہ آتا ہے کہ ایک حوصلہ مند شخص نے کئی سال کی جانفشانی سے لڑ بھڑ کر ایک ملک فتح کیا تھا اور اپنے زور بازو سے ایک سلطنت قائم کر لی تھی۔ پھر قضائے الٰہی سے اس نے وفات پائی۔ اس کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کے رفیقوں اور ساتھیوں نے جو سب اسی کے بنائے ہوئے آدمی تھے، اور جن پر وہ تمام عمر اعتماد کرتا رہا، یکایک آنکھیں پھیر لیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابھی اس کے گھر والے اس کی تجہیز و تکفین ہی میں مشغول تھے کہ اس کے ساتھیوں کو یہ فکر پڑ گئی کہ کسی طرح تختِ شاہی پر قبضہ کر لیں۔ چنانچہ وہ جمع ہوئے اور پہلے آپس میں جھگڑا کرتے رہے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ یہ لقمۂ تر میرے منہ میں آ جائے۔ آخر بڑی ردوکد کے بعد انھوں نے اپنے میں سے ایک کو بادشاہی کے لیے منتخب کر لیا۔ یہ کارروائی جب مکمل ہو گئی تو بانیِ سلطنت کے خاندان والوں کو اس کی خبر پہنچی اور ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ مرحوم کا بیٹا تو کوئی تھا نہیں۔ ایک داماد تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ میرے ہوتے اور کون وارثِ تاج و تخت ہو سکتا ہے۔ بیٹی بھی پیچ و تاب کھانے لگی کہ جو سلطنت ان کے باپ نے برسوں کی جانفشانی سے قائم کی تھی اس پر دوسروں کو قبضہ کر لینے کا کیا حق ہے۔ پہلے تو خاندان والے آپس میں سر جوڑ کر مشورے کرتے رہے۔ پھر انھوں نے مرحوم بادشاہ کے پرانے ساتھیوں کو اس کے احسانات یاد دلا دلا کر اپیل کرنے شروع کیے اور پبلک میں اپنے حق کا مطالبہ کیا۔ مرحوم کا داماد اس کی بیٹی کو دارالسلطنت کے محلوں میں لیے لیے پھرتا رہا اور ایک ایک بااثر قبیلے میں اسے لے گیا تاکہ شاید اسی کی فریاد سے لوگوں کے دل پگھل جائیں۔ مرحوم بادشاہ کی قبر کو بھی خطاب کر کر کے دہائیاں دیں کہ شاید یہی اپیل کارگر ہو جائے۔ مگر کسی نے سن کر نہ دی۔ آخر بیچارہ تھک ہار کر بیٹھ رہا، اور جب مرحوم کی بیٹی بھی، جو اس کے دعوے کی اصل بنیاد تھی، دنیا سے رخصت ہو گئی، تو اس غریب نے جا کر بادلِ ناخواستہ غاصبِ تخت کی اطاعت قبول کر لی، مگر دل میں وہ برابر پیچ و تاب کھاتا رہا اور وقتاً فوقتاً اپنے اس پیچ و تاب کا اظہار بھی کسی نہ کسی طرح کرتا رہا۔

کیا واقعی یہی تصویر ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیتؓ اور ان کے اصحابؓ کبار کی؟ کیا اللہ کے رسول کی یہی پوزیشن تھی کہ وہ دنیا کے عام بانیانِ سلطنت کی طرح ایک سلطنت کا بانی تھا؟ کیا پیغمبرِ خدا کی ۲۳ سالہ تعلیم، صحبت اور تربیت سے یہی اخلاق، یہی سیرتیں اور یہی کردار تیار ہوئے تھے؟ آخر اس نقشے کو کیا مناسبت ہے قرآن اور اس کی پاکیزہ ترین تعلیمات سے؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی ان بلند ترین اخلاقی ہدایات سے جو ذخیرۂ حدیث میں بھری پڑی ہیں؟ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے ان سوانحِ حیات سے جن میں (اس ایک قصے کے سوا) دنیا طلبی کا کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شائبہ تک نظر نہیں آتا؟ ابوبکرؓ و عمرؓ کی ان زندگیوں سے جن کا کوئی رنگ بھی دنیا کے بھوکے لوگوں کے رنگ ڈھنگ سے نہیں ملتا؟ اور صحابہ کرام کی ان سیرتوں سے جن کے مجموعے میں اس واستان کے کھینچے ہوئے نقشے کو رکھ کر دیکھا جائے تو کسی طرف سے بھی اس کا جوڑ ان کے ساتھ بیٹھتا نظر نہیں آتا؟ پھر اگر اس گروہ کی تاریخ کا پورا مستند ذخیرہ ہمارے سامنے اس کے اخلاق، اس کی سیرت، اس کی ذہنیت اور اس کے نفسیات کا کچھ اور نقشہ پیش کرتا ہے اور صرف ایک مجموعۂ روایات اس کے بالکل برعکس ایک اور ہی نقشہ پیش کر رہا ہے تو آخر عقل کیا کہتی ہے؟ کیا یہ کہ سمندر میں اتفاقاً آگ لگ گئی تھی؟ یا یہ کہ سمندر میں پانی تھا ہی نہیں، آگ ہی آگ تھی؟ یا یہ کہ آگ لگنے کا قصہ جھوٹا ہے، جب تمام شہادتیں اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ وہ سمندر تھا تو وہاں پانی کے سوا کچھ نہ ہو سکتا تھا؟ تاہم اگر کسی کا جی چاہتا ہے کہ اس قصے کو باور کرے تو ہم اسے روک نہیں سکتے۔ تاریخ کے صفحات تو بہرحال اس سے آلودہ ہی ہیں۔ مگر پھر ساتھ ہی یہ ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ معاذ اللہ رسالت کا دعویٰ محض ایک ڈھونگ تھا۔ قرآن شاعرانہ لفاظی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور تقدس کی ساری داستانیں خالص ریاکاری کی داستانیں تھیں، اصل میں تو ایک شخص نے ان چالوں سے دنیا کو پھانسا تھا تاکہ اپنی ایک سلطنت بنائے اور اس قسم کے دنیا طلب مکاروں کے گرد جیسے لوگ جمع ہوا کرتے ہیں ویسے ہی لوگ اس کے گرد بھی جمع ہو گئے تھے اور تقدس کے اس ظاہری پردے میں دراصل وہ جن مقاصد کے لیے کام کر رہا تھا ان کا راز آخر کار اس کے اپنے گھر والوں نے فاش کر کے رکھ دیا۔

اس کے مقابلہ میں تاریخ کچھ اور روایات بھی پیش کرتی ہے۔ ذرا ان کو بھی دیکھ لیجیے۔ علامہ ابو جعفر ابن جریر طبری پوری سند کے ساتھ یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن زید سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے واقعات پوچھے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے بیان کیا:

ان علی ابن ابی طالب کان فی بیتہ اذ جاءہ من انبأہ ان ابا بکر قد جلس للبیعۃ، فخرج فی قمیص لہ ما علیہ

علی ابن طالب اپنے گھر میں تھے کہ ایک شخص نے ان کو جا کر خبر دی کہ ابوبکر بیعت لینے کے لیے بیٹھے ہیں۔ یہ سن کر وہ چادر اور ازار کے بغیر نرے قمیص ہی میں نکل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اذا رأی (؟) عجلاً كراهية ان يبطئ عنها حتى بايعه، ثم جلس اليه وبعث الى ثوبه، فاتاه فجلله ولزم مجلسه

کھڑے ہوئے۔ اتنی دیر کرنی بھی انھوں نے پسند نہ کی کہ کپڑے پہن لیں۔ پہلے جا کر بیعت کی، پھر گھر سے کپڑے منگائے اور پہن کر مجلس میں بیٹھے۔

بیہقی کی روایت اس سے تھوڑی مختلف ہے۔ وہ ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ:

فصعد ابوبكر المنبر فنظر فی وجوه القوم فلم یر الزبیر قال فدعا بالزبیر فجاء، فقال قلت ابن عمة رسول الله و حواریه، اردت ان تشق عصا المسلمین؟ فقال لا تثریب یا خلیفة رسول الله، فقام فبایعه۔ ثم نظر فی وجوه القوم فلم یر علیا فدعا بعلی بن ابی طالب فجاء، فقال قلت ابن عم رسول الله وختنه علی ابنته، اردت ان تشق عصا المسلمین؟ قال لا تثریب یا خلیفة رسول الله فبایعه۔

پھر ابو بکر منبر پر چڑھے اور حاضرین مجلس پر نظر ڈالی۔ دیکھا کہ زبیر موجود نہیں ہیں۔ ان کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا۔ جب وہ آئے تو فرمایا، میں کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ کے پھوپھی زاد بھائی اور حضور کے حواری کہاں ہیں۔ کیا تم مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہنا چاہتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا اے جانشین رسول معاف فرمائیے۔ پھر اٹھے اور بیعت کی۔ پھر ابو بکر نے مجمع پر دوبارہ نظر ڈالی اور دیکھا کہ علی نہیں ہیں۔ انھیں بلانے کے لیے بھی آدمی بھیجا۔ جب وہ آگئے تو فرمایا، میں کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ کے چچا زاد بھائی اور داماد کہاں رہ گئے، کیا تم مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہنا چاہتے تھے؟ انھوں نے بھی فرمایا کہ اے جانشین رسول! معاف فرمائیے۔ پھر بیعت کی۔

ان دونوں روایتوں میں بظاہر جو تھوڑا سا اختلاف نظر آتا ہے وہ محض تفصیل کا فرق ہے۔ ورنہ در اصل دونوں ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ پھر اس کی مزید تائید حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی اس روایت سے ہوتی ہے جو موسیٰ بن عقبہ نے عمدہ سند کے ساتھ اپنے مغازی میں نقل کی ہے:

ثم خطب ابوبكر واعتذر الى الناس وقال ما كنت حريصا على الامارة يوماً ولا ليلة ولا سألتها فى سر ولا علانية

پھر ابو بکر نے (بیعت کے بعد) خطبہ دیا اور اپنی معذرت پیش کرتے ہوئے فرمایا "میرے دل میں ایک دن یا ایک رات کے لیے بھی امارت کی ہوس نہ تھی، اور نہ میں کبھی خفیہ یا علانیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقبل المهاجرون مقالته وقال علی والزبیر ما غضبنا الا لانا اخرنا عن المشورۃ وانا نری ابابکر احق الناس بها انه لصاحب الغار وانا لنعرف شرفه وخیره ولقد امره رسول اللہ ان یصلی بالناس وهو حی

اس کی خواہش کی" سب مہاجرین نے حضرت ابوبکر کی اس تقریر کو خاموشی سے سنا۔ البتہ علی اور زبیر نے اتنا کہا کہ ہم کو شکایت صرف اس بات کی ہے کہ ہمیں مشورے میں شریک نہیں کیا گیا، ورنہ ہم بھی ابوبکر کو سب سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں، وہ رسول اللہ کے رفیق غار ہیں۔ ان کے شرف اور ان کی تجربہ کاری کا ہمیں اعتراف ہے اور رسول اللہ نے اپنی زندگی میں انہی کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کیا تھا۔

پھر علامہ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں اپنی یہ تحقیق پیش کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہؓ کے پاسِ خاطر سے چھ مہینے تک خانہ نشین رہے، کیونکہ وہ تقسیم میراث کے معاملہ میں حضرت ابوبکر سے ناراض ہو گئی تھیں، اور حضرت علی نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے جو داغ ان کے دل کو لگا ہے اس پر کسی ادنیٰ وجہ ملال کا بھی اضافہ ہو۔ بعد میں جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت علی نے دوبارہ حاضر ہو کر حضرت ابوبکر سے بیعت کی تجدید کی اور معاملات میں حصہ لینا شروع کیا۔[1]

ہم خواہ مخواہ کسی کے ساتھ بحث و مناظرے میں نہیں الجھنا چاہتے۔ ہم نے یہ دونوں تصویریں پیش کر دی ہیں۔ اب ہر صاحب عقل کو خود سوچنا چاہیے کہ ان میں سے کونسی تصویر مبلغ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت و اصحاب کبار کی سیرتوں سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ اگر پہلی تصویر پر کسی کا دل ریجھتا ہو تو ریجھے، مگر اس کے ساتھ ایک امیدواری و دعویداری کا مسئلہ ہی نہیں، پورے دین و ایمان کا مسئلہ حل طلب ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی اس دوسری تصویر کو قبول کرے تو اس میں سرے سے اس واقعہ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے کہ حضرت علی منصب خلافت کے امیدوار یا دعویدار تھے۔

[1] ایک اور روایت محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب "الصدیق" میں نقل کی ہے جس کی تحقیق کا مجھے موقع نہیں ملا۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو گئی تو جناب ابوسفیان نے حضرت علی کو دعویداری خلافت کے لیے اکسانے کی کوشش کی تھی، مگر حضرت علی نے ان کو جواب دیا کہ تمہاری عمر کا ایک بڑا حصہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں گذر چکا ہے، اب اپنے سابق نامۂ اعمال میں کچھ اور اضافہ نہ کرو تو بہتر ہے، میرے نزدیک ابوبکر اس منصب کے اہل ہیں جو انہیں دیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com